ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

باغ و بہار کا مآخذ

میر امن کی ''باغ و بہار'' کی اشاعتِ اوّل مطبوعہ: ہندوستانی چھاپہ خانہ، کلکتہ (۱۲۱۸ھ مطابق ۴-۱۸۰۳ء) کے سرورق پر ''باغ و بہار'' کا مآخذ ''قصۂ چہار درویش'' کا فارسی سے اردو ترجمہ: ''نوطرز مُرصّع'' از عطا حسین خان بتایا گیا ہے۔ ''باغ و بہار'' نہ تو ترجمہ ہے اور نہ طبع زاد تخلیق، اسے ''re-creation یا بازتخلیق'' کہا جا سکتا ہے۔

مہر چند کھتری مہر لکھتے ہیں: ''انہیں دنوں میں عطا حسین خاں نے چہار درویش کا قصہ فارسی سے ہندی میں تضمین کر کے ''نوطرز مرصّع'' نام رکھا..... ریختہ زبان میں الفاظِ دقیق اور عبارتِ رنگین سے موزوں کیا ہے، اس سبب سے مطبوع انگریزوں کے نہیں ہوا۔،،

(دیباچہ: ''ملک محمد دیگتی افروز''، زمانۂ تحریر: ۸۹-۱۷۸۸ء)

جب کہ ''باغ و بہار'' کی اشاعتِ اول میں انگریزی کی جو تحریر بہ عنوان: ''Preface از جان بارتھ وِک گلکرسٹ شامل ہے، اُس سے بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ تحسین نے یہ ترجمہ کسی انگریز کی فرمائش پر کیا— خاص طور پر ''objectionable کا لفظ غور طلب ہے۔

UTA Hoosuen khan orignelly translated it, under the name of Nuo-Turzi Moorussu, but as a specimen of this language, it was rendered objectionable, by his retaining too much of the phraseology and idiom of the Persian and Arabic.

''نوطرز مرصع'' کا سبب تالیف، اس کتاب کے مؤلف میر محمد حسین عطا خان تحسین ولد میر باقر خاں شوق، ساکنِ اٹاوہ نے یوں بیان کیا ہے:

''ایک مرتبہ نواب مبارز الملک، افتخار الدولہ جنرل سمتھ، بہادر صولت جنگ سالارِ فوج انگریزی کی ہم راہی میں بجرے پر کلکتے کا سفر درپیش آیا۔ خالی بیٹھے بیٹھے دل گھٹنے لگا تو ایک عزیز نے جو ہم راہ تھا، یہ قصہ سنانا شروع کیا۔ بہت پسند آیا اور اسی وقت سے زبانِ ہندی میں لکھنے کی دُھن لگ گئی۔''

(دیباچہ: ''انشائے نوطرزِ مرصع، مطبوعہ: بمبئی طبع اوّل: ۱۸۴۶ء)

یقیناً جنرل رچرڈ سمتھ اس قصے کے محرک اول اُس وقت بنے ہوں گے جب میر تحسین نے جنوری ۱۷۶۸ء تا ۱۹ ستمبر ۱۷۶۸ء میں بہ طور میر منشی، اُن کی معیت میں الہ آباد سے واپسی پر کلکتے تک دریائے گنگا کا سفر (لگ بھگ آٹھ ماہ) ایک ہی بجرے میں کیا۔ بعد ازآں جنرل رچرڈ سمتھ ہی کے حکم پر میر تحسین کا قیام عظیم آباد (پٹنہ) میں بہ طور وکیلِ نظامت رہا۔ ۱۷۷۲ء میں فیض آباد کے ریزیڈنٹ کپتان ہارپر کے قانونی مشیر رہے۔ اُن کے والد دربارِ اودھ سے وابستہ تھے، جن کی وفات کے بعد اُن کی جگہ لینے کو وزیر الممالک نواب برہان الملک شجاع الدولہ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ (نواب اودھ) کی سرکار میں پہنچے۔ میر تحسین لکھتے ہیں: ''ایک روز تقریباً دو چار فقرے اس داستان کے کہ اول ذکر اس بیان کا کر گیا ہوں، بیچ سمع مبارک حضرت ولی نعمت کے پہنچے، از بس کہ شاہد رعنا اس حکایت دل فریب کا جلوہ گری کے عالم میں شوخ و شنگ ہے، توجہ دِل سے قبول خاطر و منظور نظر اشرف کے کر کے فرمایا کہ:

''از سرتاپا اس محبوب پسندیدہ دِل ہا کے تئیں زیورِ عبارت سے آراستہ کر.....''

یوں نواب شجاع الدولہ، شاہ اودھ (پ: ۱۷۳۱ء م: ۱۷۷۵ء) کی وفات اور اُن کے بیٹے نواب آصف الدولہ کی تخت نشینی: ۱۷۷۵ء کے بعد ''نوطرز مرصع'' تکمیل کو پہنچی اور نواب آصف الدولہ کی تعریف میں لکھے گئے چند جملوں اور ایک قصیدے کے اضافے کے ساتھ

۱۷۷۵ء ہی میں نواب آصف الدولہ کے حضور پیش کی گئی۔ محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں ''نوطرزِ مرصع'' کا سالِ تالیف ۱۷۹۸ء اور بلوم فیلڈ نے ۱۷۸۰ء رقم کیا ہے۔ یہ دونوں تاریخیں یکسر غلط ہیں۔ ''نوطرزِ مرصع'' ۱۷۶۸ء تا ۱۷۷۵ء کی تصنیف/تالیف ہے۔ یعنی ''نوطرزِ مرصع'' کی تکمیل میر امن کی ''باغ و بہار،'' روایت اول بہ عنوان: ''قصہ چار درویش'' تکمیل: ۱۲۱۵ھ مطابق جنوری تا اپریل ۱۸۰۱ء سے ٹھیک پچیس برس قبل کی ہے۔

میر محمد حسین عطا خان تحسین کو ''نوطرزِ مرصع'' پہلی بار ''انشائے نوطرزِ مرصع'' کے عنوان سے کمپنی کے ایک انگریز افسر کی زیرِ نگرانی بمبئی سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی۔ یعنی ''باغ و بہار'' کی اشاعتِ اول، کلکتہ: ۱۸۰۴ء سے ٹھیک بیالیس برس بعد ''نوطرزِ مرصع'' کتابی صورت میں سامنے آئی۔ اس سے یہ بھی طے پایا کہ میر امن کے پیشِ نظر ''نوطرزِ مرصع'' کا کوئی خطی نسخہ رہا۔ اختلافِ متن کا بھی یہی سبب ہے۔

میر امن نے مدرسے کے مختار کار صاحبوں کے نام عرضی میں یہ تو لکھا ہے کہ: ''حکم اشتہار کا سُن کر، چار درویشوں کے قصے کو ہزار جدّ و کد لیے اردوئے معلا کی زبان میں باغ و بہار بنایا۔'' لیکن نہ تو عرضی میں اور نا ہی ''باغ و بہار'' کے دیباچے میں میر محمد حسین عطا خاں تحسین یا نوطرزِ مرصع کا حوالہ دیا۔ بس یہی دیکھ کر مولوی عبدالحق نے میر امن پر سرقہ کا الزام رکھا۔ جب کہ ''باغ و بہار'' کی اشاعتِ اوّل، کلکتہ: ۱۸۰۴ء کے سرورق کی عبارت میں بہ صراحت یہ حوالہ موجود ہے۔

''باغ و بہار'' کے ایک اہم مترجم ایل ایف۔ سمتھ (L.F.SMITH) ''باغ و بہار'' کی اشاعت اول: ۱۸۰۴-۱۸۰۳ء کے سرورق کی عبارت اور میر امن کے بیانات (دیباچہ و عرض) کے اس فرق کے پیشِ نظر یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ''باغ و بہار'' کا مآخذ ضرور ''نوطرزِ مرصع'' رہی ہو گی۔ جب کہ مولوی عبدالحق نے ''نوطرزِ مرصّع'' اور ''باغ و بہار'' کی عبارات اور واقعات کا موازنہ کر کے یہ ثابت کیا کہ ''باغ و بہار'' کا مآخذ ''نوطرزِ مرصّع'' ہی ہے اور میر امن نے جان بوجھ کر تحسین یا ''نوطرزِ مرصع'' کا ذکر دیباچہ و عرضی میں نہیں کیا— مقامِ حیرت ہے کہ ''باغ و بہار'' کی تدوین سے پہلے یا تدوینِ متن کے دوران میں مولوی عبدالحق

کی نظروں سے ''باغ و بہار'' کا کوئی ایسا نسخہ نہیں گزرا، جس میں سرورق کا اعتراف اور preface از جان بارتھوک گلکرسٹ، دونوں شامل ہوتے۔

''باغ و بہار'' از میر امن، اشاعتِ اول، مطبوعہ: ہندوستان چھاپہ خانہ، کلکتہ: ۱۸۰۴ء کے سرورق کی عبارت درج ذیل ہے: ''مآخذ اُس کا نوطرزِ مرصّع، وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خان کا ہے فارسی قصۂ چار درویش سے۔'' یہی بات preface از جان بارتھوک گلکرسٹ سے بھی ثابت ہے:

> ''ماضی بعید میں یہ قصہ، زبانِ فارسی، بہ عنوان: ''قصۂ چہارم درویش'' یا ''چار درویشوں کی کہانی''، خاصا سراہا گیا ہے..... فارسی سے اس قصے کا اُردو ترجمہ عطا حسین خاں نے ''نوطرزِ مرصّع'' کے عنوان سے کیا تھا، لیکن وہ ترجمہ اردو زبان کے نثر پارے کے طور پر قابلِ اعتراض یوں تھا کہ اُس میں فارسی اور عربی لفظیات اور محاورات کی بُہتات تھی۔ اس نقص کو دور کرنے کے لیے مقامی عالم میر امن دِلّی والے نے، جو کہ فورٹ ولیم کالج سے وابستہ ہیں، اسی قدیمی ترجمے کو بنیاد بنا کر یہ یکسر نیا اسلوب وضع کیا۔''

ایل۔ ایف۔ سمتھ اور مولوی عبدالحق کے الگ الگ شبہات کی بنیاد میر امن کا یہ بیان ہے:

> ''گلکرسٹ صاحب نے کہ ہمیشہ اقبال اُن کا بُلند رہے، جب تلک گنگا جمنا بہے، لُطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں، جو اُردو کے لوگ ہندو، مُسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عوام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو۔''
>
> (دیباچہ از میر امن)

میر تحسین کی ''نوطرزِ مرصّع'' سے متعلق مہر چند کھتری مہر کا یہ کہنا کہ: ''مطبوع انگریزوں کے نہیں ہوا'' اور گلکرسٹ کا اسے ''قابلِ اعتراض'' کہنا، یہ ثابت کرتا ہے کہ ''نوطرزِ مرصّع''

تالیف و ترجمہ کرنے کی تحریک جنرل رچرڈ اسمتھ (م: یکم ستمبر ۱۷۵۰ء) کی جانب سے ہوئی، جن کی معیت میں میر تحسین نے جنوری ۱۷۶۸ء تا ۱۹ ستمبر ۱۷۶۸ء الٰہ آباد سے کلکتے تک کا سفر کیا۔ یاد رہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجلس نظما کی جانب سے قلعہ سینٹ جارج مدراس کے نام جاری کردہ چٹھی بابت ۲۲ دسمبر ۱۷۶۷ء میں واضح طور پر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ: "کمپنی کے جو ملازمین..... ہندستان (یعنی اردو) سیکھیں گے، انھیں پانچ سو روپے بطور انعام دیے جائیں گے"۔ اس کے بعد نومبر ۱۸۰۰ء میں "نوطرزِ مرصع" کے نسخے کا فورٹ ولیم کالج سے گلکرسٹ کی معرفت میر امن تک منتقل ہونا اور ۱۸۴۶ء میں بمبئی سے "نوطرزِ مرصع" کا ایک انگریز افسر کی نگرانی میں شائع ہونا بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ "نوطرزِ مرصع" کی تالیف و ترجمہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی زبان فہمی سے متعلق منصوبہ بندی کا حصہ تھی۔

میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی "نوطرزِ مرصع" کو میر چند کھتری مہر کی جانب سے "اغلاق و دقیق" قرار دینا اور گلکرسٹ کا "قابلِ اعتراض یوں کہ اس میں فارسی اور عربی لغتیت اور محاورات کی بہتات تھی" کہنا بھی بالکل درست نہیں۔ "نوطرزِ مرصع" اور "باغ و بہار" کا موازنہ ثابت کرتا ہے کہ میر تحسین کا طرزِ تحریر کچھ ایسا ادق نہیں، جتنا کہ ہمارے ناقدین اور محققین نے ظاہر کیا۔ "نوطرزِ مرصع" اور "باغ و بہار" کے طرزِ بیان میں وہی فرق ہے، جو میر تحسین کی تخلیقی آزادروی اور میر امن کی صحافتی مجبوریوں کے تحت قلم کاری کا فرق ہے —— جب ملکہ خلوت چاہتے ہوئے، دائی سے کہتی ہے:

"شاید تجھے نیند آتی ہے۔"

تو اس کے جواب میں دائی کہتی ہے:

"ہاں مجھ پر خواب نے غلبہ کیا ہے۔" ("باغ و بہار" از میر امن)

"واقعی، ملکہ کو صاحب کرامت کہا چاہیے۔" ("نوطرزِ مرصع" از میر تحسین)

میر امن لکھتے ہیں:

"اے جاہل! ہمارے بڑے بُت میں کیا برائی دیکھی جو غائب خدا کی

پرستش کرنے لگا؟" (باغ و بہار)

میر تحسین لکھتے ہیں:

"اے جاہل! بُت بزرگ سے کیا بدی دیکھی کہ پرستش خدائے نادیدہ کی کرتا ہے؟" ("نوطرزِ مرصع")

درج بالا موازنۂ متن سے مضامین کی قربت ثابت ہے۔ اس ضمن میں دیگر امثال بھی دیکھتے چلیے:

(۱) پہلا درویش، جس جراح سے مدد لیتا ہے، اس کا نام فارسی قصہ چہار درویش کے کسی معلوم نسخے میں نہیں ملتا۔ جب کہ "نوطرزِ مرصع" میں میر تحسین نے جراح کا نام "عیسیٰ جراح" لکھا ہے۔ میر امن کی "باغ و بہار" میں بھی یہی نام ملتا ہے۔

(۲) قصہ چہار درویش (فارسی) کے جملہ معلومہ نسخوں میں "سیرِ پہلے درویش کی" کا جراح حد درجہ بد مزاج ہے۔ جب کہ "نوطرزِ مرصع" میں ایسا نہیں۔ میر تحسین نے اُسے حد درجہ حلیم الطبع ظاہر کیا ہے اور یہی صورت میر امن کی "باغ و بہار" میں بھی ملتی ہے۔

(۳) قصہ چہار درویش (فارسی) کے معلومہ نسخوں میں یوسف سوداگر کی معشوقہ حد درجہ خوب صورت ہے، جب کہ میر تحسین کی "نوطرزِ مرصع" میں اسے حد درجہ بدصورت بتایا گیا اور میر امن کی "باغ و بہار" میں بھی وہ بدصورت ہی ہے۔ اسی نوع کی امثال سے مولوی عبدالحق نے مجلہ "اردو"، بابت: جولائی ۱۹۳۰ء میں یہ ثابت کیا ہے کہ میر امن کی "باغ و بہار" کا ماخذ میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی "نوطرزِ مرصع" ہی ہے، فارسی قصہ چہار درویش نہیں..... یہ طے ہے کہ جان بارتھ وک گلکرسٹ کی فرمائش پر میر تحسین کی "نوطرزِ مرصع" کی بازتخلیق (recreation) ہی "باغ و بہار" کی صورت میں سامنے آئی اور وہ بھی ضروریاتِ مدرسہ فورٹ ولیم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے۔

"باغ و بہار" کے ماخذ سے متعلق میر امن اور گلکرسٹ کے بیانات گمراہ کن ہیں، میر امن لکھتے ہیں:

''قصہ چار درویش کا ابتداء میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا
کہ حضرت نظام الدین اولیا، زری زربخش، جوان کے پیر تھے،.....ان کی
طبیعت ماندی ہوئی، تب مُرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ
ہمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رہتے، اللہ نے چندروز میں شفادی۔''

(دیباچہ ''باغ و بہار'' از میرامن)

گلکرسٹ کہتے ہیں:

This work has long been admired in the original Persian, under the name of the "Qissui chahar durwesh" or "The tale of the four dervises", it was composed in the beautiful tongue by umeer khoosro, for the purpose of entertaining his friend and religious instructor Nizam ood deen uoliya, during a fit of sickness.

(مقدمہ بہ عنوان: ''Preface (بہ زبان انگریزی) مشمولہ: ''باغ و بہار'' اشاعت اول، کلکتہ: ۴-۱۸۰۳ء) سب سے پہلے ۱۹ویں صدی کے مشہور مستشرق سر ولیم اوسلے نے اس روایت کو غلط کہا اور اُس کے بعد حافظ محمود شیرانی نے ثابت کر دیا کہ بنیادی فارسی ماخذ، یعنی ''قصہ چہار درویش'' امیر خسرو کی تالیف نہیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے، مقالہ: ''قصہ چہار درویش'' از شیرانی، مطبوعہ: ''کارواں'' لاہور، سالنامہ: ۱۹۳۳ء)

جس طرح امیر خسرو کے نام کے ساتھ بہت سا الحاقی کلام آلات موسیقی اور راگ راگنیاں منسوب ہیں، اُسی طرح فارسی قصہ چہار درویش بھی اُن کے نام کے ساتھ منسوب کر دیا گیا۔ امیر خُسرو (م: ۷۲۵ھ مطابق ۲۵-۱۳۲۴ء) کا تعلق غیاث الدین بلبن (م: ۱۲۸۶ء) کے دربار سے تھا اور اُس دور میں تو کیا اُس کے بہت بعد تک اس قصے کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا، حتیٰ کہ جلال الدین محمد اکبر (تخت نشین: ۱۵۵۶ء۔م: ۱۶۰۵ء) کے عہدِ حکومت میں قصے کہانیوں

کی سطح پر ''سنگھاسن بتیسی''، سنسکرت سے فارسی ترجمہ از مُلا عبدالقادر بدایونی (۹۸۲ھ مطابق ۷۵-۱۵۷۴ء) ''نل دمن''، سنسکرت ناٹک کا منظوم فارسی ترجمہ از ملا عبدالقادر بدایونی، ''عیار دانش'' سنسکرت (کلیلہ دمنہ) سے فارسی ترجمہ از ابوالفضل (۹۹۶ھ مطابق ۸۸-۱۵۸۷ء) ''سلیمان و بلقیس'' از ابوالفیض فیضی فیاضی، ''نل دمن''، سنسکرت ناٹک کا فارسی ترجمہ از ابوالفیض فیضی فیاضی، ''بحرالاسما'' ترجمہ از ملا عبدالقادر بدایونی، ''کشکول'' (منظوم و منثور تحریریں) از ابوالفضل اور قصۂ امیر حمزہ'' (نام مصنف، مولف ندارد) کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ نیز قصۂ چہار درویش (فارسی) کا معلومہ قدیم ترنسخہ برٹش میوزیم لائبریری، لندن اوائل ۱۸ویں صدی کا ہے۔ اس سے پہلے اس قصے کا وجود نہ تھا۔ جب کہ امیر خسرو کی پیدائش: ۱۲۵۳ء بہ مقام پٹیالہ اور وفات: ۱۳۲۵ء بہ مقام دلی کی ہے۔ حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق (۱) فارسی قصہ چہار درویش کا مصنف فرقہ اثنا عشری کا رکن دکھائی دیتا ہے جب کہ امیر خسرو، سنی العقیدہ تھے (۲) فارسی قصہ چہار درویش کے معلومہ نسخوں میں حافظ، نظیری، فغانی، عرفی، غیرتی، اوشا پور کے اشعار کی شمولیت ثابت کرتی ہے کہ اس قصّے کا تعلق امیر خسرو کے عہد سے نہیں ہوسکتا، اس لیے کے کہ یہ تمام شعراء بہت بعد کے ہیں۔ (۳) رائج الوقت فارسی نسخوں میں سے کسی ایک کی زبان بھی ایسی نہیں، جسے امیر خسرو یا اُن کے عہد کی زبان کہا جا سکے۔ (۴) فرنگیوں سے متعلق فراہم کردہ معلومات کا تعلق مغلیہ دور سے تو ہوسکتا ہے، امیر خسرو کے عہد سے نہیں (۵) خواجہ سگ پرست کے قصے میں دوربین (ایجاد: ۱۷ ویں صدی عیسوی) کا حوالہ قصہ چہار درویش کو جدید الاصل ثابت کرتا ہے۔ (باغ و بہار کا تحقیقی مطالعہ)

یوں طے پایا کہ قصہ چہار درویش (فارسی) سے امیر خسرو کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض ایک غلط روایت ہے، جسے ''باغ و بہار'' کے دیباچہ از میرامن اور ''باغ و بہار'' کے مقدمہ (بہ زبان انگریزی) از گلکرسٹ سے فروغ ملا۔

حافظ محمود شیرانی کا دریافت کردہ حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم خاں کا بلاعنوان فارسی قصہ بابت چار درویشوں کے (زمانہ تحریر: بہ عہد محمد شاہی۔ کتابت: ۱۱۴۶ھ مطابق ۱۷۳۳ء)

''نوطرز مرصّع'' از میر محمد حسین عطا خاں تحسین (زمانہ تکمیل: ۱۷۶۸ء تا ۸۶ـ۱۸۸۵ء) اور قصہ چہار درویش کا اردو ترجمہ: ''نوطرز مرصع'' تاریخی نام: ''باغ و بہار'' (۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۱ء) از محمد غوث زریں، اس روایت سے خالی ہیں۔ البتہ فارسی قصہ چہار درویش از میر احمد خلف شاہ محمد، مطبوعہ: ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء، جو میر امن کا ''باغ و بہار'' (مطبوعہ: ۴ـ۱۸۰۳ء) سے پچہتر برس بعد کی چیز ہے، میں یہ غلط روایت موجود ہے، جو یقیناً میر امن کی ''باغ و بہار'' کے ذریعے میر احمد تک پہنچی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''باغ و بہار'' کے اصل مآخذ یعنی فارسی قصہ چہار درویش کا خالق کون ہے؟ س سوال کا جواب ڈھونڈتے ہوئے حافظ محمود شیرانی نے حکیم محمد علی الخاطب بہ معصوم خاں کا فارسی قصہ بابت چار درویشوں کے بہ عنوان: ''حکایاتِ عجیب وغریب'' (تحریر: بہ عہد مغل حکمراں محمد شاہ بادشاہ رنگیلا)، (زمانہ کتابت: ۱۱۴۶ھ مطابق ۱۷۳۳ء نام کاتب: عبدالکریم) ڈھونڈ نکالا، لیکن حکیم محمد علی خود لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس قصے کو اُردو سے فارسی میں منتقل کیا۔ اُن کا مآخذ کیا رہا، کچھ معلوم نہیں۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں محفوظ، مولوی عبدالحق کے دریافت کردہ فارسی قصے ''چہار درویش'' از صفی کے آغاز میں درج منظوم حمد میں ''صفی'' تخلص دیکھ کر مولوی عبدالحق نے لکھا: ''خسرو جیسے زبردست اور پُر گو شاعر سے یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی دوسرے غیر معروف شاعر کی نظم حمد میں نقل کرتے، یہ اُن کی طبیعت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ شبہ اور قوی ہوتا ہے کہ یہ قصہ امیر خسرو کا لکھا ہوا نہیں ہے۔'' (مقدمہ: باغ و بہار)

حافظ محمود شیرانی اور عبدالحق کے بعد ڈاکٹر گیان چند نے بوڈلین لائبریری آکسفرڈ (قیام: ۱۶۰۲ء) میں موجود قصہ چہار درویش (فارسی) کے ایک خطی نسخے سے متعارف کروایا۔ بوڈلین لائبریری کی فہرست مخطوطات حصہ اول، سیریل نمبر ۴۴۳ کے تحت اس خطی نسخے کا اندراج ملتا ہے۔ اس خطی نسخے کے خاتمہ کتاب سے تاریخِ تکمیل: ۱۷۲۸ء معلوم ہوتی ہے: ''روز یکشنبہ بتاریخ بست و ہفتم شہر شعبان ۱۱۴۱ھ۔'' یعنی کتابت ۱۷۲۸ء میں مکمل ہوئی۔ اس خطی نسخے

کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوتا، نہ امیر خسرو کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ شجاع الدین محمد خان ناظم صوبہ اڑیسہ کے لیے یہ نسخہ میر امن کی ''باغ و بہار'' (تکمیل: جنوری تا اپریل ۱۸۰۱ء) سے تہتر برس قبل کاتب جمال الدین نے تیار کیا۔ یہ نُسخہ، شیرانی کے دریافت کردہ نُسخے (۱۷۳۳ء) سے پانچ برس پہلے کا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے ''اردو کی نثری داستانیں'' میں لکھا ہے کہ مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ کے ذخیرہ، حبیب گنج میں قصہ چہار درویش کا ایک فارسی خطی نسخہ از حکیم محمد علی الخاطب بہ معصوم خاں، محررہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء موجود ہے۔ لیکن ان کے علاوہ وہ نسخہ کسی نے دیکھا نہیں، نہ اُس کی موجودگی ثابت ہے۔

برٹش میوزیم، لندن کے کتب خانے میں البتہ فارسی قصہ چہار درویش کے چار خطی نسخے موجود ہیں، جن میں سے قدیم تر نسخے کی بابت ڈاکٹر چارلس ریو نے لکھا ہے کہ ''وہ اوائل اٹھارویں صدی عیسوی کا نسخہ ہے۔ یہ نسخہ رنگین اور مرصّع ہے اور معلومہ نسخوں میں قدیم تر، لیکن اصل مصنف کا نام ظاہر نہیں کرتا۔'' اس نسخے کو اوائل ۱۸ ویں صدی عیسوی کا قرار دینا بھی مبنی بر قیاس ہے۔ آج سے چونسٹھ برس قبل ڈاکٹر سید سجاد نے اپنے تحقیقی مضمون (بہ زبان انگریزی) بہ عنوان: ''An early writer of modern urdu'' مطبوعہ: ''اسلامک کلچر'' حیدرآباد، دکن شمار: ا جلد: ۱۴ بابت جنوری ۱۹۳۹ء میں فارسی قصہ ''چہار درویش'' کے اصل مصنف کے طور پر حاجی ربیع انجب کا نام لیا تھا۔ سید سجاد کے اس بیان کی بنیاد کشن چند اور غلام ہمدانی مصحفی کے تذکرے تھے۔ بے شک، کشن چند نے تذکرہ: ''ہمیشہ بہار'' (مؤلفہ: ۱۷۲۳ء) اور مصحفی نے تذکرہ: ''عقدِ ثریا'' (مؤلفہ: ۱۷۸۵ء) میں حاجی ربیع مغربی انجب کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے قصہ ''چہار درویش'' رقم کیا۔

ڈاکٹر سید سجاد کے اس بیان پر کہ تحقیق مزید کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے میں نے مصحفی کے بیان کو چنا۔ غلام ہمدانی مصحفی نے لکھا ہے:

''نادرِ روزگار شخصیت انجب، مشہور بہ حاجی ربیع انجب شاگردِ مرتضیٰ قلی بیگ انگینہ

والائے اصفہانی۔ اُس کے اپنے بیان کے مطابق جائے ولادت اُندلس تھا، جو سرزمینِ مغرب میں واقع ہے، لہٰذا اسے اکثر ''حاجی مغربی'' کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اندلس سے وہ کم عمری میں اصفہان (ایران) پہنچا، جہاں تیس برس کسب علوم میں مصروف رہا، بعدازاں اس نے حج کیا اور سیر و سیاحت کرتا ہوا ہندوستان وارد ہوا۔ یہاں کے اکابرین و امراء سے ملاقاتیں کیں اور اُن کے قریب ہو گیا۔ وہ ہمیشہ مجالس و محافل میں صاحبِ توقیر اور ممتاز رہا۔ جب اہلِ دارالخلافہ کے حالات ناگفتہ بہ ہو گئے تو اُس نے خاموشی سے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اللہ کی عنایات پر بھروسا کیا اور کسی کے در پر سوالی بن کر نہ گیا۔ اس کی طبع بلند سات برس کی عمر سے شعر گوئی کی طرف مائل تھی..... اپنی وفات سے پچاس برس پہلے پانچ لاکھ اشعار کہہ چکا تھا۔ وہ اپنے اشعار اس خیال سے کسی کو نہ دیتا کہ شعر گوئی دیوانوں کا کام ہے، اہلِ دانش و حکمت کو اس سے کیا واسطہ..... اُس کی جتنی تصانیف میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اُن میں مولانا نظامی گنجوی کے خمسہ کا جواب، جو اُس کے ہاتھ کی تحریر تھی اور ایک بڑا دیوان، جو تقریباً ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل تھا، ایک ضخیم کتاب اثنا عشریہ کے عقائد سے متعلق اور قصہ چہار درویش، نثری تحریریں تھیں۔ الغرض اُس کی تصانیف اگر صندوقوں میں جمع کی جاتیں تو ایک اونٹ کا بوجھ تھیں، سب کی سب چوری ہو گئیں۔ اُن چوری شدہ کتب میں ''مہا بھارت'' کے اٹھارہ پرت بھی تھے جو اس نے اپنے ایک عزیز کی فرمائش پر نظم کیے تھے۔ روہیلوں کی لوٹ مار میں ایک شخص اپنا خریدا ہوا مال لایا تو اس سامان میں ایک جلد انہی اٹھارہ پرتوں (ادھیایوں) پر مشتمل تھی..... اس کا مذہب حکیمانہ تھا، اس لیے وہ اکابرین و اولیاء اور بڑے بڑے اساتذہ کا ذکر حقارت سے کرتا تھا۔ کہتے ہیں اس کی عمر ایک سو سات سال کی تھی..... اس کی عمر کے آخری حصے میں مصنف اس کی زیارت کے شوق میں ایک دن اس کے ہاں گیا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا، جو نہایت نحیف اور قریب المرگ تھا۔ اس نے مجھ سے شعر سنانے کی فرمائش کی..... اور کہا کہ کبھی کبھار آ جایا کرو..... ایک ماہ بعد میں دوبارہ گیا..... جب میری اس ملاقات کو پانچ چھ ماہ گزر گئے تو وہ اپنی بیماری کے سبب اس جہان فانی کو الوداع کہہ گیا۔ ازروئے قیاس اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ وہ اپنا نسب نامہ

شیخ عبدالقادر گیلانی سے ملاتا تھا اور شیخ محمد علی حزیں کو اپنا ہمشیرزادہ کہتا تھا۔''

''عقدِ ثریا'' (تذکرہ فارسی گویاں) مرتبہ: مولوی عبدالحق، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی (طبع دوم: ۱۹۷۸ء۔ ص: ۲۵ تا ۲۶)

غلام ہمدانی مصحفی کے درجِ بالا بیان سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں، انہیں بھی دیکھتے چلیے:

مصحفی (پ: ۱۷۵۰ء امروہہ۔ م: ۱۸۲۵ء لکھنؤ) کے قیامِ دلّی کا زمانہ ۱۷۶۷ء تا ۱۷۸۷ء ہے۔ مصحفی جب امروہہ سے نکلے اور آنولہ اور اودھ سے ہوتے ہوئے ۱۷۶۷ء میں دلّی پہنچے تو بعید نہیں کہ بہ طور اردو اور فارسی شاعر کے، انہوں نے ایک بڑے فارسی گو شاعر کے طور پر حاجی ربیع انجب کا نام سن رکھا ہو۔ لہٰذا قیاس غالب ہے کہ ۱۷۶۷ء ہی میں انہوں نے حاجی ربیع انجب سے پہلی ملاقات کی ہوگی۔ دوسری ملاقات کی درمیانی مدت ایک ماہ کی ہے اور اس دوسری ملاقات کے پانچ چھ ماہ بعد انہیں انجب کی وفات کا پتا چلا..... بے شک ۱۷۶۸ء کا سنہ مقرر کر لیجیے، جب انجب نے ایک سو سات برس کی عمر میں وفات پائی۔ یوں انجب کا سال پیدائش ۱۶۶۱ء بنا۔ لڑکپن سے اگر نو دس برس کی عمر مراد لی جائے تو انجب ۱۷۰-۱۶۷۱ء میں اندلس سے اصفہان پہنچا۔ کسبِ علوم میں تیس برس صرف کرنے کے بعد ۱۷۰۰ء میں اصفہان سے چالیس اکتالیس برس کی عمر میں بہ غرضِ حج نکلا۔ اب اگر اصفہان سے نکل کر براستہ جنوبی عراق کے شہر بصرہ سے ہو کر مکہ پہنچا اور بعد از فریضۂ حج، سیر و سیاحت کرتے ہوئے واپسی پر بہ طور اثنا عشری کے عراق میں زیارات (کربلا و نجفِ اشرف) پر حاضری دے کر براستہ ایران ہندوستان کے لیے نکلا تو اصفہان، زاہدان، چمن اور ملتان سے ہوتے ہوئے دلّی پہنچا اور اگر براستہ افغانستان آیا تو اصفہان، برجند، ہرات، کابل، پشاور، جہلم اور لاہور سے ہوتے ہوئے دلّی وارد ہوا۔ یہ سیر و سیاحت اور واپسی کا سفر اگر دو اڑھائی برس پر بھی محیط تھا تو انجب نے ۳-۱۷۰۲ء میں عظیم مغلیہ سلطنت یعنی عہدِ عالمگیری کی آخری جھلک دیکھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کا نصف آخر بہ طور خاص فارسی شاعری کے پھلنے پھولنے کا زمانہ ہے۔ یوں، انجب اُس دور کی دلّی کے

اکابرین وامراء کی مجالس ومحافل میں بہ طور فارسی کے ایک پُرگو شاعر اور عالم کے ۱۷۰۲-۳ء تا ۱۷۰۷ء چار پانچ برس صاحبِ توقیر اور ممتاز رہا۔ اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد دارالخلافہ میں ہمہ جہتی انحطاط کی صورت دیکھنے کو ملی، جب اورنگزیب عالمگیر کے بیٹوں میں جانشینی کی جنگ کا آغاز ہوا۔ ہرطرف بے چینی پھیلی اور باغی قوتوں کو سراٹھانے کا موقع ملا۔ اس محاربے میں بالآخر معظم کامیاب ہوا لیکن ۱۷۱۲ء میں وفات پا گیا۔ اس کی لاش پورا ایک مہینہ بے گور وکفن پڑی سڑتی رہی اور بیٹے باہمی محاذ آرائی میں جٹے رہے۔ جہاں دار شاہ حکمران بنا تو امراء و عمائدین کی پگڑیاں اچھلیں اور محض چند ماہ ہی میں انتظامِ سلطنت پارہ پارہ ہوگیا۔

چوراچکوں کے بلا روک ٹوک دندناتے پھرنے کا یہی زمانہ ہے۔ بہت ممکن ہے انجب کے ابتدائی دواوین اور دیگر تصانیف کی چوری کی واردات اسی زمانے میں ہوئی ہو، جب انجب ایک اونٹ کے بوجھ جتنی تصانیف سے محروم ہوا۔ ۱۷۰۷ء کے بعد اہل دارالخلافہ کے انہی ناگفتہ بہ حالات کے سبب انجب نے گوشہ نشینی اختیار کی۔

نظامی گنجوی کے خمسہ کا جواب، ایک بڑا دیوان، اثناء عشریہ کے عقائد سے متعلق ضخیم کتاب اور قصہ چہار درویش ایسی تصانیف ہیں جنہیں مصحفی نے ۶۸-۱۷۶۷ء میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ۱۷۱۳ء میں جہاندار شاہ قتل ہوا اور سادات بارہہ کے سید عبداللہ خاں اور سید حسین خاں کی مدد سے فرخ سیر تخت نشین ہوا۔ جسے من مانی کی سزا کے طور پر سید برادران نے آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر پہلے تو اندھا کیا اور اس کے بعد ۱۷۱۹ء میں قتل کروا دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ حکمران بنے۔ اول الذکر کو محض دو ماہ اور ثانی الذکر کو تین ماہ کی حکمرانی نصیب ہوئی۔ یوں ۱۷۰۷ء سے گوشہ نشیں، انجب کے حالات بگڑتے چلے گئے۔

محمد شاہ رنگیلا ۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء حکمراں رہا لیکن اس کی حکومت دلّی اور آگرہ تک محدود تھی۔ اس دوران میں نادر شاہ نے (۱۷۳۹ء) دلّی کو لوٹا۔ احمد شاہ کے دورِ حکومت ۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء میں روہیلوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ جس میں انجب کے ترجمہ کردہ "مہا بھارت" کے اٹھارہ ادھیائے، چوروں سے خریدے گئے سامان میں دکھائی دیے۔

انجب کا قصہ "چہار درویش" یقیناً فارسی میں لکھا گیا۔ اردو میں لکھنے کی شہادت نہ گلشن چند سے ملتی ہے، نہ مصحفی سے۔ انجب کی ہندوستان آمد (۱۷۰۲ء) تا گوشہ نشینی (۱۷۰۷ء) کی درمیانی مدت اتنی نہیں بنتی کہ علمی وشعری مجالس ومحافل کے بکھر جانے پر انجب اگر اردو نثر لکھنے پر راغب ہوا تو اس نے اردو زبان اور محاورے پر بھی وہ عبور حاصل کرلیا، جو قصہ چہار درویش کی نمایاں پہچان ہے۔ اس لیے یہ سوال، سوال ہی رہے گا کہ حافظ محمود شیرانی کے دریافت کردہ فارسی قصہ بابت چار درویشوں کے بہ عنوان: "حکایاتِ عجیب وغریب" (تحریر: بہ عہد محمد شاہی، کتاب: ۱۷۳۳ء) از حکیم محمد علی کی بنیاد اگر اردو میں تحریر کردہ قصہ تھا، تو کس نے لکھا اور کب لکھا؟ اردو میں تحریر کردہ قصہ چار درویش کا تاحال نہ تو کوئی خطی نسخہ دریافت ہوا، نہ اس کا کہیں حوالہ ملتا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں بھی محض قیاس ہی کیا جا سکتا ہے کہ اگر بہ قول مصحفی، حاجی ربیع انجب نے اشعار تو بیچے نہیں۔ اب اگر اس نے گزر اوقات کے لیے قصہ گوئی اختیار کی (جس کی طرف مصحفی نے کوئی اشارہ نہیں کیا اور یہ محض ایک خیال ہے) تو امکان اس بات کا ہے کہ قصے کا انوکھا پن اور انجب کا طرزِ بیان اس قصے کو اٹھارہ تا بیس برسوں میں اتنا مقبول بنا گیا کہ اس دور کے قصہ گو، انجب کے فارسی قصے کو اُردو میں بیان کرتے رہے اور اُن کے بیان کو بنیاد بنا کر حکیم محمد علی نے شجاع الدین محمد خاں، ناظم اڑیسہ کے لیے اسے دوبارہ فارسی میں رقم کیا۔ اسے محض ایک قیاس یا خیال سمجھ لیجیے، لیکن یہ طے ہے کہ انجب سے پہلے اس قصے کا سراغ نہیں ملتا۔

قصے سے داخلی شہادتیں اکٹھی کریں تو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اس قصے کا اصل مصنف کوئی اور نہیں، حاجی ربیع انجب ہی ہے۔

(۱) فارسی قصہ چہار درویش کا مصنف فرقہ اثنا عشری کا رکن دکھائی دیتا ہے (جو کہ انجب تھا۔ اس نے اپنے عقائد سے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی) اور قصے کے متعدد مقامات مصنف کو خلفائے اربعہ میں سے حضرت علیؓ کی خلافت کا قائل ثابت کرتے ہیں۔

(۲) فارسی قصہ چہار درویش کا مصنف گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے، ایک جہاں دیدہ شخص ہے۔ انجب کی پیدائش اندلس (اسپین) یورپ کی ہے، ایران میں تیس برس گزارے،

فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے نکلا تو بصرہ، کربلا، نجفِ اشرف (عراق) کے علاوہ دیگر عرب دنیا کی سیر کی، اس میں ملک شام بھی شامل رہا ہوگا۔ سیر و سیاحت کرتے ہوئے دلّی (ہندوستان) آیا۔ اگر ایران کے راستے ہندوستان وارد ہوا تو اصفہان، زاہدان، چمن اور ملتان (سرائیکی بیلٹ) سے ہوتے ہوئے دلّی پہنچا اور اگر براستہ افغانستان آیا تو اصفہان سے برجند، ہرات، کابل، پشاور، اٹک، ٹیکسلا، جہلم اور لاہور کی بھی سیر کی۔

(۳) فارسی قصہ چہار درویش میں دربار سے متعلق عہدوں (از قسم: میر بحر، میر بخشی، میر شکار، دیوان، میر عمارت، ثابت خانی اور قراول بادشاہی)، ادنیٰ و اعلیٰ ملازموں و ملازماؤں کی نسل اور اُن کی ذمہ داریوں (از قسم: قورچی، آب دار، قلماقنی، اردابیگی، اردو کے لوگ، انگا، چھوچھو، دائی، دادا، باری دار، بازدار، برقنداز، بکاؤل، بہلیے، پیاردے، تزکنیاں، چوب دار، خاص بردار، خان خواص، خانساماں، خواجہ سرایا خوجے، خواصیں، کلال، گرز بردار، گزربان، محلی اور نیساول)، اعلیٰ درجے کی مجالس و محافل میں روزمرہ استعمال کی اشیاء (از قسم: ادقچہ، بکاولی، تورا، تورا پوش، تختۂ نرد، چوگوشہ اور سلیمچی)، امراء کے کھانوں (از قسم: الش خاص، بادامی، بورانی، پن بھتا، فالودہ، دوپیازہ، ساقِ عروس، شیرمال، شب دیگ، شیر برنج اور باقر خانی جسے عہد شاہ جہانی میں الہ آباد کے حاکم باقر خاں م: ۱۶۳۷ء نے ایجاد کیا) اعلیٰ قسم کے پارچہ جات کے ناموں (از قسم: بادلا، پشمینہ اور جام دانی)، امراء کے پہناووں (از قسم: پشواز اور چارقب) کے علاوہ تول کے باٹوں اور خیموں سے متعلق تفصیلات کا ہندوستان کے دارالخلافہ دلّی اور عہدِ عالمگیری سے متعلق ہونا بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ اکابرین و امراء کے ساتھ بیٹھے اٹھے بغیر ایسا کچھ ضبطِ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ جب کہ انجب کو عہد عالمگیری کے آخری چار پانچ برس یہ اعزاز اور سہولت حاصل رہی۔

(۴) منظر ناموں کے اعتبار سے ''الف لیلہ'' اور ''قصہ حاتم طائی'' عرب دنیا سے متعلق ہیں، ''قصہ گل صنوبر'' ایران سے اور ''قصہ گلِ بکاؤلی'' ہندوستان سے متعلق۔ فارسی قصہ

چہار درویش میں انہی قصوں سے اخذ و استفادہ کیا گیا لیکن باز تخلیق کی شان پیدا کر کے ان علاقہ جات سے شناسائی کا انجب سے بڑھ کر کون دعوے دار ہو سکتا ہے؟

(۵) فارسی قصہ چہار درویش کا بحری سفر، لڑکپن میں انجب کے اندلس سے بحری جہاز کے ذریعے ایران پہنچنے کی دھندلی یاد کا اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

(۶) فارسی قصہ چہار درویش میں کچھ مقامات ایسے ہیں، جہاں محسوس ہوتا ہے جیسے عربی محاورے کو من و عن ترجمہ کر دیا گیا ہو۔ فارسی پر مہارت اور عربی سے شُد بُد مصنف کی جانب ایک واضح اشارہ ہے۔

(۷) حافظ، فغانی، عُرفی، غیرتی، نظیری اور شاہ پور کے اشارے کا داخلِ قصہ ہونا ایک عجیب و غریب اشارہ ہے مصنف کی جانب۔ حافظ (م: ۹۱-۱۳۹۰ء) کا شیراز، ایران سے تعلق۔ حافظ شیرازی کے ددھیال کا اصفہان کے مضافات میں ہونا۔ فغانی (م: ۱۵۱۹ء) عُرفی (م: ۹۱-۱۵۹۰ء) اور غیرتی کا شیراز سے تعلق۔ نظیری (م: ۹۹-۱۵۹۸ء) کا خراساں اور کاشان سے تعلق یعنی سب کے سب شعراء کا تعلق ایران کے اُن علاقوں سے ہے جو انجب کے دیکھے بھالے علاقے ہیں۔ یہ الگ بات کہ عرفی، نظیری اور شاہ پور ایران سے نکل کر ہندوستان کے درباروں سے وابستہ رہے۔

(۸) فارسی قصہ چہار درویش کے مرکزی کرداروں میں سے بادشاہ آزاد بخت کا تعلق ملکِ روم سے، پہلا درویش مُلک یمن کا، دوسرا درویش مُلکِ فارس کا، تیسرا درویش مُلکِ عجم کا۔ خواجہ سگ پرست کے قصے میں نیشاپور (ایران) اور جزیرہ فرنگ (جو یورپ کا کوئی بھی جزیرہ ہو سکتا ہے) کا حوالہ..... یہ سارے انجب کے دیکھے بھالے علاقے ہیں۔

انجب نے فارسی قصہ چہار درویش کب تحریر کیا؟ اس ضمن میں وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔ محض قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ اس کے قیام دلّی ۷-۱۷۰۲ء کی یادگار ہے۔ یہ خیال کرنا کہ اس قصے کی تکمیل انجب کے قیام دلّی ۷-۱۷۰۲ء کی محض اس لیے نہیں ہو سکتی کہ تیسرے درویش

کے قصے میں فرنگی لڑکی اور جزیرہ فرنگ کا حوالہ آیا، تو عرض ہے کہ عہدِ عالمگیری میں اہلِ فرنگ یا فرنگیوں سے مراد اہلِ یورپ (نصارا) تھے، محض برطانیہ کے باشندے نہیں۔ ''فرنگ'' درحقیقت ''فرینک'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ فرینک جرمن تھے، جنہوں نے ۵ ویں صدی عیسوی میں گال (یعنی فرانس) کو تہ و بالا کر کے حکومت کی۔ انجب کے قیام اندلس (اسپین) کے زمانے میں، فرنگی اس کے دیکھے بھالے لوگ تھے۔

جہاں تک ہندوستان میں فرنگیوں کی موجودگی کا تعلق ہے تو پُرتگالیوں (Portuguese) نے واسکوڈے گاما کی کالی کٹ (ہندوستان) آمد ۱۴۹۸ء کے بعد ۱۵۱۰ء میں گوا، ۱۵۲۱ء میں چال، ۱۵۳۴ء میں دیو، باسین اور بمبئی اور ۱۵۵۹ء میں دامان پر قبضہ مکمل کر لیا تھا۔ ۱۷۰۰ء میں ولندیزی یعنی Dutch (اہلِ ہالینڈ) نیگا پٹم، سدراس، پولیکات، بملی پٹم اور کوچین پر قابض دکھائی دیتے ہیں۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۶۱۱ء میں سُورت، کالی کٹ اور میسولی پٹم میں تجارتی دفاتر قائم کیے اور ۱۶۹۶ء میں اورنگ زیب عالمگیر کے پوتے شہزادہ عظیم الشان سے چوٹانٹی، کلکتہ اور گوند پور کے قصبہ جات قیمتاً خریدے۔ فرانسیسیوں (French) نے ۱۶۶۹ء میں مسولی پٹم اور ۱۶۷۴ء میں پانڈی چری پر قبضہ مکمل کیا۔ اہل ڈنمارک (Danish) ۱۷ویں صدی میں سیرام پور (بنگال) پر قابض تھے۔ جب کہ اطالوی سائنس دان گلیلیو نے ۱۶۰۹ء میں دوربین ایجاد کی تھی۔

☆☆☆